مضمون نگار:

محمد سفیان عطاء

مدرس: جامعہ رحیمیہ عابدیہ، ڈیرہ غازیخان

امام العصر اور مرافقت آثار السنن

حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے نیل الفرقدین میں لکھاہے، کہ میں آثار السنن کی تالیف میں علامہ نیموی کا معاون رہاہوں، اس دعوی کو علامہ نیموی کے صاحب زادے مولانا عبد الرشید فوقانی نے اس بنا پر رد کر دیا کہ کتاب کی تالیف کے دوران علامہ کشمیری رحمہ اللہ طالب علم تھے، کیونکہ علامہ کشمیری کی تحصیل علوم سے فراغت 1314ھ میں ہوئی تھی، اور آثار السنن کا مسودہ 1314ھ میں تیار ہو چکا تھا، البتہ اشاعت اول 1318ھ میں ہوئی، لہذا علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا عہد طالب علمی میں علامہ نیموی کی تالیف میں ان کے ساتھ تعاون کا دعوی کرنا کس طرح درست ہو سکتاہے؟ البتہ یہ ہو سکتاہے کہ آثار السنن کی تالیف کے بعد اس کے اجزاء علامہ کشمیری کو بھیجتے ہوں اور وہ انہیں کچھ رائے یا مشورہ دیتے ہوں۔ علامہ فوقانی کی اس گفتگو کے بعد اہل حدیث علماء کو مولانا کشمیری کی ثقاہت مجروح کرنے کا سرا ہاتھ میں آگیا، انہوں نے علامہ کشمیری کے دعوی کو حیرت و استعجاب، انکار واستنکار کے ساتھ موضوع بحث بناڈالا، زیر نظر مضمون میں دلائل و قرائن اور آثار سے اس دعوی کو برحق ثابت کیا گیاہے، نیز متشککین حضرات کو ورطہ حیرت سے نکالنے کی کوشش کی گئ ہے۔ واللہ الموفق

اس مبحث کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیاہے، مبادیات، قرائن اور خاتمہ

✓مبادیات

حضرت شاہ صاحب کے ابتدائی ضروری احوال

▪ حضرت شاہ صاحب کی ولادت باسعادت شوال 1292ھ میں ہوئی[1] خاندانی رسم ورواج کے مطابق چار سال چار ماہ چار دن میں کے ہوئے، تو تعلیم کی ابتداء ہوئی[2] پانچ سال فارسی اور پانچ سال عربی کی تحصیل فرمائی[3] بعمر نو سال فقہ ونحو کی شروح ومطولات کا مطالعہ شروع فرمادیا تھا، اور بعمر 12 سال کشمیر میں لوگوں کو زبانی مسائل بھی بتادیا کرتے۔[4]

▪ ہزارہ سے فراغت از تحصیل کے بعد ہندوستان کی طرف عازم سفر کس سن میں ہوئے؟ عبد الرحمن کوندو کے مطابق 1310ھ میں تشریف لائے، [5] مولانا انظر شاہ کے مطابق 1307/8ھ تشریف لائے[6]

یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت شاہ صاحب اور مولانا عبید اللہ سندھی تحصیل علم طب میں رفیق رہے تھے، اس علمی رفاقت کا اعتراف خود مولانا سندھی نے بھی ایک خط میں کیا[7] علم طب کی تحصیل حکیم اجمل خان کے بڑے بھائی حکیم واصل خان سے کی تھی، [8] ان حضرات کی یہ رفاقت دارالعلوم کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ مولانا سندھی 1307ھ کو دیوبند چھوڑ چکے تھے، [9] اور 1308ھ کو وہ ایک سال دہلی میں تحصیل علم مصروف رہے، پھر واپس سندھ ہو گئے۔[10]

مولانا انظر شاہ کا یہ فرمانا محل نظر معلوم ہوتاہے، کہ حکیم واصل سے تحصیل طب دیوبند سے فراغت کے بعد کی، کیونکہ اس صورت میں مولانا سندھی کی رفاقت محل غور ہو گی۔۔

▪ ممکنہ طور پر یہی

1308ھ وہ سن ہو سکتا ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب اور مولانا سندھی کی رفاقت کا امکان ہو سکتا ہے، مولانا انظر شاہ تصریح کرتے ہیں، کہ ہر دو حضرات نے تحصیل طب ایک ہی استاد سے ایک ہی زمانہ میں کی تھی، اس زمانہ میں بھی آپ کی ذکاوت واستعداد عالی اساتذہ، طلبہ اور معاصرین میں مشہور ہو چکی تھی۔[11]

لہذا معلوم ہوا کہ آپ نے ہندوستان کی طرف رخت سفر 1307/8ھ میں ہی باندھا تھا، اور دہلی میں علم طب وغیرہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔

1310 ▪ھ کو آپ کا داخلہ دارالعلوم دیوبند میں ہوا، اور جائے قیام کے لیے دارالعلوم کے قرب میں ایک حجرہ مسجد کا تعین ہوا، اور یہیں مولانا مشیت اللہ بجنوری سے تعلق خاطر ہوا،

[12] آپ چھٹیوں میں اکثر وبیشتر ان کے گاؤں تشریف لے جاتے تھے۔ اسی زمانہ یعنی 1310ھ کے آس پاس آپ کی ملاقات مولانا رحیم اللہ بجنوری سے ہوئی[13] مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں طویل تر قیام چند ماہ پر مشتمل تھا، جو 1314ھ میں فراغت کے بعد ہوا،[14] اس موقع پر ان کے خاندانی کتب خانے سے بھی استفادہ فرمایا۔

مولانا رحیم اللہ بجنوری سے ملاقات کے وقت آپ کی عمر 16/17 برس رہی ہو گی، کیونکہ روایت میں تصریح ہے، کہ آپ کے چہرے پر بال تک نہ تھے، اور ان کے خادم نے آپ کو چھوکرا کہہ ڈالا تھا[15]

▪ دارالعلوم سے فراغت 1314ھ کے بعد کچھ عرصہ گنگوہ، پھر مدرسہ عبدالرب، دہلی اور پھر مولانا بجنوری کے پاس قیام فرمایا، تاآنکہ 1315ھ کو مدرسہ امینیہ کی تاسیس رکھی گئی، اور اگلے برس اس کے پہلے اجلاس میں صدر مدرس منتخب ہوئے، یہاں آپ ربیع الاول 1319ھ تک رہے،[16] اس کے بعد کشمیر تشریف لے گئے، اور وہاں 1328ھ تک قیام فرمایا۔

✓ آثارالسنن کی اولین طباعت

علامہ نیموی نے تالیف کی ابتداء 1306ھ میں کی، اور جزو ثانی کی تسوید سے 1314ھ کو فراغت پائی[17] یہ کتاب زمانہ تالیف کے بعد سے مسلسل اشاعت پذیر ہے، سینکڑوں اشاعتیں اس کی پاک وہند سے ہو چکی ہیں، اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے، اس کی اولین اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر عتیق الرحمن صاحب نے اپنی تحقیقی کتاب شوق نیموی، حیات وکارنامے میں لکھا کہ یہ 1318ھ میں قومی پریس، لکھنو، سے پہلی مرتبہ طبع ہوئی۔[18]

ماہنامہ انوار مدینہ میں مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں، کہ اس کی اولین اشاعت 1321ھ کو ہوئی۔[19]

لیکن یہ دونوں خیالات محل نظر ہیں۔

▪ حضرت شاہ صاحب کے زیر مطالعہ بظاہر وہی نسخہ رہا ہو گا، جس پر ان کے حواشی مرقوم ہیں، اور جو الاتحاف کے نام سے معروف ومشہور ہے، یہ نسخہ احسن المطابع، عظیم آباد سے التعلیق الحسن اور تعلیق التعلیق دونوں کے ساتھ شائع ہوا، جلد اول 1319ھ اور جلد دوم 1321ھ کو طبع ہوئی، دونوں حصے مصنف علامہ نیموی کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوئے، یہ نسخہ مصنف کے رسالہ عمدۃ العناقید کے بغیر طبع ہوا، عمدۃ العناقید کا سن تالیف 1319ھ ہے،[20] اس نسخہ کا ٹائٹل آثارالسنن مع التعلیق الحسن وتعلیق التعلیق ہے،

▪ ابن المصنف مولانا عبدالرشید فوقانی کی زیر نگرانی مطبوعہ نسخہ 1344ھ کا ہے، اس میں عمدۃ العناقید کا اضافہ ہے، اس کا ٹائٹل آثارالسنن مع التعلیق الحسن ہے، یہ اصح المطابع، لکھنو، سے طبع ہوا، تعلیق التعلیق اس نسخہ میں بھی موجود ہے، لیکن ٹائٹل میں اس کا ذکر نہیں،

▪ **عمدۃ العناقید** میں مصنف نے خود تصریح کی، کہ انہوں نے شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی کو 1318ھ میں مطبوعہ نسخہ بھیجا، جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ممکنہ اولین اشاعت 1318ھ یا اس سے قبل کی ہے، البتہ یہ وضاحت نہیں مل سکی، کہ شیخ الدلائل کو بھیجی جانے والی کتاب دو اجزاء پر مشتمل تھی یا صرف جزو اول پر؟

☐ ▪اصح المطابع، لکھنو، 1344ھ کی اشاعت میں اس کا واضح اشارہ موجود ہے، کہ اولین اشاعت احسن المطابع کی نہیں، چنانچہ اغلاط کے تصحیح نامہ میں لکھا ہے:"بقیہ اغلاط آثار السنن جلد اول مطبوعہ احسن المطابع عظیم آباد و قیومی پریس کانپور"[21] اسی طرح لکھا:"بقیہ اغلاط آثارالسنن جلد ثانی مطبوعہ اصح المطابع، لکھنو"[22] اس سے معلوم ہوا کہ احسن المطابع اور قیومی پریس کا نسخہ ایک ہی تھا، نیز اغلاط نامے کی اغلاط کا تعلق صرف جلد اول سے ہونے کا مطلب یہ ٹھہرا، کہ قیومی پریس کانپور سے صرف ایک جزو طبع ہوا تھا، جزو ثانی کی طباعت کی نوبت نہ آسکی ہوگی، وگرنہ جلد ثانی کا بھی اغلاط نامہ ساتھ ہوتا۔

☐ ▪قیومی پریس کانپور کا سن اشاعت معلوم نہیں ہوسکا، اسی نسخہ 1344ھ میں مرقوم ہے:"قیومی پریس کانپور کہ سال طباعت مرقوم نیست[23] بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے، کہ علامہ نے شیخ الدلائل کی خدمت میں جو نسخہ بھیجا تھا، وہ ایک جزو پر مشتمل تھا، اور 1318ھ یا اس سے قبل طبع ہو چکا تھا، اور وہی اولین طباعت تھی۔

ڈاکٹر عتیق الرحمن صاحب نے لکھا:"شیخ الدلائل کو یہ نسخہ 1281ھ میں بھیجا گیا"[24] بظاہر یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے 1318ھ درست ہے، علامہ نیموی کی ولادت 1278ھ اور وفات 1322ھ کی ہے[25]

آثارالسنن کا یہ اولین نسخہ قیومی پریس سے بھی التعلیق الحسن کے ساتھ طبع ہوا تھا، کیونکہ اس کی اور احسن المطابع، عظیم آباد، کی اشاعت کی اغلاط کا ایک ہی تصحیح نامہ ہے، جس سے ان اشاعتوں کی یکسانیت معلوم ہوتی ہے، 1321ھ میں جزو ثانی طبع ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب کے دو عربی قصیدے بلا ترجمہ بھی مطبوع ہیں، جبکہ 1344ھ کی طباعت میں ایک عربی قصیدہ، بزبان فارسی منظوم ترجمہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے،

✓دعوی مرافقت کے الفاظ

مرافقت کا یہ واقعہ حضرت شاہ صاحب سے نقل کرنے والوں میں مولانا یوسف بنوری رح، مولانا منظور نعمانی رح مولانا محمد انوری رح، مولانا احمد رضا بجنوری رح اور مفتی فقیر اللہ صاحب رح ہیں، مؤخر الذکر سے یہ بات مولانا محمد انوری صاحب نے سنی، مفتی صاحب حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے ہیں، ان کا سن فراغ دیوبند سے 1324/25ھ ہے،[26] اسکا مطلب ہے، کہ مفتی صاحب، حضرت شاہ صاحب کے رسمی طور پر شاگرد نہ تھے، اورانہوں نے یہ بات دارالعلوم کے ماحول اور اغلبا اساتذہ سے ہی سنی ہوگی، جس سے معلوم ہوا، کہ دارالعلوم کے اساتذہ میں حضرت شاہ صاحب کا آثارالسنن میں مرافقت کا شرف حاصل کرنا معروف تھا،

☐ ▪حضرت شاہ صاحب کے دعوی مرافقت کے سلسلہ میں تین طرح کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں، حضرت شاہ صاحب کے اپنے الفاظ ہیں:"وقدنقلت فيه شيئامن التعليق الحسن للشيخ النيموي مع مازدت عليه وقدكان الشيخ المرحوم حين تاليفه ذالك الكتاب يرسل إلي قطعة قطعة حتى أني كنته مرافقافيه،وزدت عليه أشياءكثيرةبعده "[27]

حضرت بنوری کے الفاظ ہیں:...فسماه أثارالسنن،وكان كلمايؤلف قطعة من كتابه،يرسلهاإلى المحدث الكبيرإمام العصرمحمدأنورشاه الكشميري...فكأن الشيخ كان مرافقاله في ذالك التاليف،كماذكره في نيل الفرقدين "[28]

مولانا نعمانی، شاہ صاحب سے ناقل ہیں:"مولانا نیموی نے بوقت تالیف کچھ اجزاء حضرت الاستاد کی خدمت میں اس غرض سے بھیجے، کہ ملاحظہ فرماکر مشورہ دیں، اور اضافہ ممکن ہو تو فرمادیں، حضرت نے ملاحظہ فرماکر واپس فرمادیے، کہ اس مقصد کے لیے اس پتہ پر خط و کتابت فرمائیں، میں اس زمانہ میں کشمیر میں رہتا تھا، مولانا نیموی کے ساتھ خط و کتابت شروع ہوگئی، میں ان کے حکم کی تعمیل میں اضافے کرتا تھا۔۔۔[29]

✅قرائن

(1) علامہ نیموی اور حضرت شیخ الہند علامہ نیموی کی پیدائش 1278ھ کی ہے، آپ بہار کے مدینۃ العلم، عظیم آباد کے باسی تھے، اسی علاقے میں سید نذیر حسین بھی زیر تعلیم رہے،[30] علامہ نیموی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، ان جیسا شخص حضرت شیخ الہند کو کتاب بھیج سکتا تھا؟ کن خصوصیات کی وجہ سے ان کا اس کام کے لیے انتخاب کیا جانا ممکن تھا؟ اس سلسلہ کی گزارشات ملاحظہ ہوں۔

▪ علامہ نیموی 1305ھ کو فارغ التحصیل ہوئے، اس دور میں مذہبی، خصوصا حنفی اہل حدیث مباحثے زوروں پر تھے، خود علامہ نیموی اور مولانا بنارسی میں ہمیشہ مناظرے رہے،[31] یہ مباحثے تھانوں کچہریوں اور عدالتوں تک جا پہنچے تھے، اور بقول سید نذیر حسین یہ مناظرے، مناقشوں، مجادلوں اور مکافروں تک جا پہنچے تھے،[32] یہ امور علامہ نیموی سے مخفی نہ تھے، ان کے اپنے استاد مولانا عبد الحئ لکھنوئ اور اہل حدیث علماء مولانا صدیق حسن خان، مولانا بشیر احمد سہوانی رحمہم اللہ کے قلمی مناظروں کے غلغلے ہر طرف تھے، علامہ نیموی نے جب اس میدان میں قدم رکھا، تو ان کی تحقیقات عالیہ کی گونج دہلی میں سید نذیر حسین رح تک بھی پہنچی، اور انہوں نے متقدمین اور متاخرین کی تحقیقات میں علامہ کی تحقیقات کی انفرادیت کو بنظر استحسان تسلیم کیا۔[33] اس عرصہ میں حضرت شیخ الہند ہندوستان بھر میں ایک جلیل القدر محقق، عالم، محدث اور مناظر کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے، یہ کیسے ممکن تھا، کہ دار العلوم کے منصب صدارت پر فائز شخص جو اس اکھاڑے کا بھی شہسوار تھا، علامہ نیموی کی نظر میں نہ آیا ہو، اس مناظراتی فضا میں حضرت شیخ الہند ہی نہیں بلکہ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا سہارنپوری کے کمالات اہل علم پر عیاں ہو چکے تھے، دفاع سنت اور وکالت احناف میں یہ لوگ ہراول دستہ تھے، جس میدان میں علامہ نیموی نووارد تھے، اس میں حضرت شیخ الہند 1294ھ میں، علامہ نیموی کے ایام تحصیل ہی میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے، ان کی کتب ادلہ کاملہ اور ایضاح الادلہ کا شور بڑے زوروں پر تھا۔ بعید نہیں، کہ علامہ نیموی نے جو بخاری شریف پڑھی ہو، وہ حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی ہی تزیین کردہ ہو، کیونکہ علامہ نیموی کے ہوش سنبھالتے سنبھالتے اس کتاب کے ہندوستان بھر میں چار ایڈیشن آب و تاب سے چھپ کر پھیل چکے تھے۔[34]

دار العلوم کی صدارت، مسلکی ہم آہنگی، علم حدیث میں حضرت شیخ الہند کا قدم راسخ اور مناظروں میں ان کی شہرت ایسے متعدد اسباب تھے، جن کے پیش نظر علامہ نیموی کا انتخاب وہی ہو سکتے تھے۔ نیز حضرت شیخ الہند کے علاوہ علامہ نیموی کی علمی مراسلت حضرت اقدس گنگوہی سے بھی ہو چکی تھی۔ جس کا مطلب ہے، کہ علامہ نیموی اور علماء دیوبند کا مستقل رابطہ رہتا تھا۔ علامہ نیموی اور حضرت شیخ الہند کے تعلقات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے، کہ حضرت شیخ الہند نے احسن القری میں علامہ کے رسالہ جامع الآثار پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی دیے ہیں۔

نیز علامہ نیموی اپنا رسالہ جامع الآثار حضرت اقدس گنگوہی کی خدمت میں بھی بھیج چکے تھے۔[35] احسن القری کا سن تالیف ایضاح الادلہ کے 14 برس بعد کا ہے، اور ایضاح 1299ھ میں لکھی گئی، جیسا کی حیات شیخ الہند میں تصریح کی گئی ہے۔[36] معلوم ہوا، کہ احسن القری کم و بیش 1313ھ کے آس پاس لکھی گئی،

▪ احسن القری سے قبل جامع الآثار لکھی گئی، اور یہ حضرت اقدس گنگوہی کے پاس بھیجی گئی اور وہیں حضرت شاہ صاحب نے ملاحظہ فرمائی، اور اس کی تائید میں علامہ نیموی کو خط بھی لکھا، اور پر لطف بات یہ ہے، کہ علامہ نیموی نے بھی اس کے بعد شاہ صاحب سے مراسلت کی۔[37] اس بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب اور علامہ نیموی کے مابین مراسلت 13ھ ہی کے آس پاس شروع ہو چکی تھی، جب کہ شاہ صاحب کی عمر 22 سال تھی۔ نیز یہ ساری بحث یعنی علامہ نیموی کا رسالہ، اس پر نقد، جواب الجواب یقینا شیخ الکل کے علم میں بھی ہو گی، کیونکہ مذکورہ تحریری مباحثے کی بنیاد انہی

کا ایک فتوی تھا۔[38] احسن القری کے آخر میں رسالہ التلمیح سن 20ھ یا بعد میں لکھا گیا، کیونکہ اس میں شیخ الکل کے لئے اموات کا لفظ استعمال کیا گیا۔[39]

□ ▪ ممکنہ طور پر وہ کون سا عرصہ ہو سکتا ہے، جس میں علامہ نیموی نے بسلسلہ آثار السنن حضرت شیخ الہند سے مراسلت کی؟

اس سلسلہ میں گزارشات ملاحظہ ہوں۔ ▪ □ * آثار السنن * کی موجود قدیم ترین اشاعت 1318ھ کی ہے، جس کا مطلب ہے حضرت شیخ الہند کو اس سے قبل ہی بھیجی گئی ہو گی، کیونکہ دستور یہی ہے، کہ اصلاح و مشورہ قبل از طباعت ہوا کرتا ہے۔ تو یہ دورانیہ 1314ھ کے آس پاس بنتا ہے، کیونکہ اسی برس کتاب کی تسوید مکمل ہوئی تھی۔ اور یہی برس حضرت شاہ صاحب کا سن فراغ از تکمیل ہے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے، کہ جس طرح علامہ نیموی نے حضرت شیخ الدلائل کو جلد اول مطبوع بھیجی، ایسے ہی حضرت شیخ الہند کو بھی مطبوع بھیجی ہو گی۔ تو یہ دورانیہ 1314ھ سے 18ھ تک ہو سکتا ہے۔

(2) حضرت شیخ الہند اور حضرت شاہ صاحب

□ ▪ حضرت شیخ الہند نے علامہ نیموی کو حضرت شاہ صاحب سے مراسلت کا مشورہ دیا، ایسا کن وجوہ کی بنیاد پر کیا گیا ہو گا؟ نظر انتخاب حضرت شاہ صاحب پر ہی کیوں پڑی؟

ذیل کی سطور میں اس پر گزارشات ملاحظہ ہوں۔

□ ▪ حضرت شیخ الہند پر حضرت شاہ صاحب کا مقام و مرتبہ ان کے فراغت سے قبل ہی اظہر من الشمس ہو چکا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے چچازاد بھائی مولانا عبد المجید شاہ کشمیری اپنی ذہانت اور فطانت کی بدولت حضرت شیخ الہند کے ہاں پہلے ہی جگہ پا چکے تھے، وہ دارالعلوم کے جید فاضل تھے۔ اور انہوں نے ہی حضرت شاہ صاحب کو ہزارہ میں مسلسل خط لکھ کر دیوبند کی طرف توجہ دلائی تھی، اور ادھر حضرت شیخ الہند کو اپنے چچازاد محمد انور شاہ کی ذہانت و فطانت کے بارے میں مطلع کیا تھا۔[40]

□ ▪ حضرت شیخ الہند کے ہم استاد، ہم درس مولانا رحیم اللہ بجنوری وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے حضرت شاہ صاحب کی عبقریت کا مشاہدہ کیا، مولانا موصوف خود ایک عبقری صفت انسان تھے، حضرت نانوتوی کے اجل تلامذہ میں ں سے تھے، مناظرہ شاہ جہان پور میں ان کے معاون تھے۔[41] عربی، فارسی، کلامیات، منطق اور فلسفہ کے ماہر تھے۔[42] حضرت شاہ صاحب اور مولانا رحیم اللہ بجنوری کے درمیان منطق و فلسفہ کے مسائل پر گفتگو ہوئی، جس میں مولانا بجنوری نے جب ایک نوخیز طالب علم کو مشکل ترین منطقی اختلافی مباحث میں نا صرف فاضلانہ، ناقدانہ گفتگو کرتے ہوئے پایا، بلکہ ان میں محاکمانہ رائے بھی صادر کرتے دیکھا، تو ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی، اسی موقع پر انہوں نے اپنی ایک کتاب پر حضرت شاہ صاحب سے تقریظ لکھوائی۔[43]

□ ▪ منطق و فلسفہ میں شاہ صاحب کے اس مقام عالی کی خبر ان عبارات سے بھی ہوتی ہے، جو خلافت عثمانیہ کے آخری

شیخ الاسلام، شیخ مصطفی صبری نے حضرت شاہ صاحب کے لیے استعمال کی ہیں۔ شیخ مرحوم نے اپنی کتاب میں فلسفہ جدید و قدیم کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مشرق و مغرب کے ہر بڑے فلسفے کے نظریات کو جانچتے ہوئے جن اہل علم پر نقود کیے ہیں، ان کے نام یہ ہیں: ریوارلی، امیل سسہ، جونسیمون، رونوویہ، برغسون، اسبینوزا، شیللنغ، کوزین، کانت، فرح انطون، ڈارون، سکرتان، غاساندی، پول زالہ، مترہ افکار، شوبہناور، ڈیکارٹ، سنت آنسلہ، طوماس،

امام ماتریدی، ابن رشد، امام الحرمین، امام غزالی، ابن عربی، ابن تیمیہ، ابن القیم، عضد الدین ایجی، علامہ تفتازانی، علامہ دوانی، علامہ جرجانی، صدر الدین شیرازی، بہاء الدین عاملی، مولانا سیالکوٹی، مولانا ابراہیم کورانی سمیت، معاصر اہل علم میں سے شیخ زاہد الکوثری، علامہ محمد بخیت، شیخ الازھر امام

مراغی، فرید وجدی، محمد حسین ہیکل،طہ حسین، استاد احمد امین، شیخ محمد عبدہ اور جمال الدین قاسمی جیسے نبلاء زمانہ اور فضلاء عصر کے فلسفیانہ اور غیر معتدل مذہبی افکار پر تنقید ومحا کمہ کیاہے]-44[

□ ▪اس سلسلہ میں ہندی معاصرین میں سے مولاناعبدالحئی لکھنوی صاحب[45] اور حضرت شاہ صاحب کو بھی معرض بحث واستدلال میں لیا ہے، مولاناعبدالحئی صاحب کی ایک کتاب اَم البراھین کے بارے لکھا :

"اقول فلماذاإذن كتب ذالك الكتاب الذي ينتهي فيه إلى الهباءالمنثور،فاضاع نفسه وأوقات قارئيه" [46]

ایک موقع پر انکی دلیل پر یوں معترض ہوئے

"سخافته ظاهرة...بل الظاهرسخافة ماذكره المعترض،ولعله لم يفهم مافي البرهان] " [47]

اس کے برخلاف حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ انہوں نے بڑے اعزازواحترام سے کیا، ان کی موافقت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شاہ صاحب کی مرقاۃالطارم اور التصریح کا حوالہ دیا. ایک جگہ لکھا، کہ فلاں دلیل کے بارے یہ رائے رکھتاتھا،کہ اسکا اظہار صرف میں کر رہا ہوں، لیکن کیادیکھتاہوں، کہ شاہ صاحب نے بھی اس کو بیان کیا ہے، ان کی عبارات ملاحظہ ہو.هذا!وكنت أظن أني كاشف هذاالبرهان أيضا،لاأرتاب في قوته الحاسمة،ثم صادفته في مرقاة الطارم لعالم الهندالكبيرمحمدأنورشاه الكشميري] "48[

ایک موقع پر حضرت مجدداور حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفیانہ قول پر نقد کرنے کے لئے العالم الکبیر کے الفاظ حضرت شاہ صاحب کے لئے استعمال کیے/[49]

ایک موقعہ پر لکھا:

"بعدأن كتبت هذا،رأيت مرقاة الطارم لعالم الهندالكبيرمحمدأنورشاه الكشميري...فسرني أن اتفقنافي الراي"[50] مرقاة الطارم في حدوث العالم

حضرت شاہ صاحب کا ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں انہوں نے اپنی اختیار کردہ فلسفیانہ ارا کو جمع کیاہے، حضرت بنوری نے شیخ مصطفی صبری سے خود سنا، کہ وہ اس مختصر رسالے کو مشہور فلسفی عالم،علامہ صدرالدین شیرازی کی کتاب اسفار اربعہ پر ترجیح دیتے تھے۔]51[

حالانکہ حضرت شاہ صاحب کے خادم خاص مولاناادریس سکروڈوی کے بقول آپ نے 1328ھ کے بعد معقولات کی کتب کا مطالعہ بالکلیہ ترک کر دیا تھا۔[52]

□ ▪حکیم فتح محمد صاحب دہلی میں علم ہیئت کی تحصیل کے لئے شیخ الکل سید نذیر حسین کے پاس حاضر خدمت ہوئے،توسید صاحب نے ان سے کہا:"دلی میں ایک نووارد شخص محمد انور شاہ سنہری مسجد میں پڑھاتا ہے، یہاں وہی ان کتابوں کا درس دے سکیں گے"[53] اگر شیخ الکل، مجدد، محدث زمانہ اپنے تمام تر تفوق علمی وعمری کے باوجود،اوراپنے ہم مسلک تلامذہ کبار کی موجودگی میں ایک نوارد شخص کی طرف مراجعت کا کہہ سکتے ہیں، توان سے کم عمر، کم تجربہ کار شخص علامہ نیموی یاحضرت شیخ الہند کی مراجعت کیوں قابل استعجاب وانکار ٹھہر سکتی ہے؟

□ ▪شاہ عبدالقادررائپوری ناقل ہیں:

" ان کے استاد مولاناکریم بخش صاحب(م1339ھ) حضرت شاہ صاحب کی فراغت کے معابعد، مدرسہ امینیہ، دہلی میں ان سے ملنے آئے تھے،جب شاہ صاحب کی عمر اندازاًبیس اکیس برس رہی ہوگی]"54[

یہ مولاناکریم بخش صاحب 30 برس مدرس اول رہے،اور علم ہیئت وافلاک کے نامور استادزمانہ تھے،[55] ظاہر ہے، کہ ان کی تشریف آوری بغرض استفادہ ہی ہو سکتی ہے۔

□ ▪ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ زمانہ طالبعلمی میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ بطور خادم شریک رہتے تھے، چنانچہ بھوپال کے ایک سفر میں حضرت شیخ الہند کو ابو داؤد کے ایک قلمی نسخہ کی خبر ملی تو آپ نے اسے عاریتا لینا چاہا، لیکن اس کی کوئی سبیل نہ نکل سکی، تو حضرت شاہ صاحب نے اپنے قوت حافظہ سے اس نسخہ صحیحہ کو حفظ کر کے اس کا املاء کرایا، اور حضرت الاستاد کی خدمت میں پیش کیا۔[56] بھوپال کا یہ سفر ممکنہ طور پر 1311ھ سے 1315/16ھ کے درمیان کا ہے، کیونکہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب مدرس ہو گئے تھے، لہذا یہ 1315/16ھ سے پہلے کا ہی ہو سکتا ہے، حضرت شیخ الہند ان دنوں سنن اَبی داؤد کی تصحیح پر کام کر رہے تھے، اس سلسلہ میں ان کے پیش نظر میسر قلمی و مطبوع نسخے رہا کرتے تھے، یہ کام آپ منتخب طلبہ سے لیا کرتے تھے. سنن اَبی داؤد کا یہ نسخہ حضرت شیخ الہند کی تصحیح کے ساتھ پہلی مرتبہ 1318ھ میں مطبع مجتبائی، دہلی، سے شائع ہوا۔[57]

□ ▪ شاہ صاحب رحمہ اللہ مناظروں میں حضرت شیخ الہند کی رفاقت میں رہتے، حوالجات کی تخریج ان کے ذمہ ہوا کرتی تھی،[58] ظاہر ہے کہ یہ دور ممکنہ طور پر حضرت شاہ صاحب کے تدریسی دور 1315/16ھ سے قبل کا ہی ہو سکتا ہے۔

1318/19 □ ▪ ھ میں حضرت شاہ صاحب کی شہرت کو چار چاند اس وقت لگے، جب انہوں نے ایک اہل حدیث عالم سے گلاؤ ٹھی میں مناظرہ کیا، اس مناظرہ میں حضرت گنگوہی کی ہدایت کے مطابق اکابرین مدرسہ خصوصا حضرت شیخ الہند، حضرت سہارنپوری رحمہم اللہ تشریف لے گئے، معلوم ہوتا ہے، کہ اس مناظرے کی خاص اہمیت رہی ہو گی، شاہ صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ کی حیثیت سے علماء دیوبند

کے مناظر تھے،[59] یہ شاہ صاحب کا اولین مناظرہ تھا، دوران مناظرہ بحث اس بات پر آ ٹھہری، کہ حدیث ھر قل حفظ سنائی جائے، فریق مخالف اہل حدیث مناظر کے انکار پر شاہ صاحب نے سنانی شروع کی، اور کم و بیش ایک سپارہ کی مقدار بر سر مجمع سنا کر اصاغر و اکابر، موافق و مخالف سامعین کو حیران کر ڈالا۔[60] شاہ عبد القادر رائے پوری اس مناظرہ کے شرکاء سامعین میں سے تھے، یہ ان کا زمانہ طالب علمی تھا[61]

فریق ثانی کے مناظر کون تھے؟ اس بارے میں راقم کو اطلاع نہیں ہو سکی۔ البتہ اس مناظرے کے کچھ عرصہ بعد ایک اور مناظرہ ہوا، جو میرٹھ کی خندق مسجد میں مولانا حمید اللہ میرٹھی سے ہوا، اس میں شاہ صاحب تن تنہا تشریف لے گئے تھے، مناظرہ میں مولانا حمید اللہ مرحوم کو ایک لفظ جوابی کی بھی ہمت نہ ہو سکی، تا آنکہ پولیس کی مداخلت سے یہ مناظرہ ختم کرا دیا گیا،[62] اس مناظرے کی تاریخ غالبا 1320ھ کی ہے، کیونکہ مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ "مدرسہ قومی" میرٹھ کے طالب علم تھے، اور شاہ صاحب کی تقریر کے بعد جوابی تقریر کے سماع کے لیے حاضر ہوئے تھے، اور "مدرسہ قومی" میں ان کے طالب علمی 1320ھ کی ہے۔[63]

اس مناظرہ کے قدرے تفصیلی احوال کے لیے تصویر انور 475/476 ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ یہ دو الگ الگ مناظرے ہیں،

□ ▪ گلاؤ ٹھی مناظرے میں حضرات اکابر تشریف فرما تھے، اور مولانا رائے پوری بھی شریک سامعین تھے، اور یہ مناظرہ اغلبا 1317/18ھ کو پیش آیا، کیونکہ اسی دوران شاہ عبد القادر رائپوری دہلی میں تھے،[64] 1319ھ میں وہ بریلی چلے گئے تھے۔[65]

دہلی سے گلاؤ ٹھی شرکت کرنا قرین قیاس ہے، نہ کہ بریلی سے گلاؤ ٹھی شرکت کرنا، اور اگر انہوں نے میرٹھ کی طالب علمی کے دوران گلاؤ ٹھی مناظرہ میں شرکت کی ہو گی، تو پھر یہ مناظرہ ممکنہ 15/16ھ کو ہوا ہو گا۔

اس مناظرے میں فریق مخالف کے مناظر کا علم نہیں ہو سکا۔

□ ▪ دوسرا مناظرہ جو میرٹھ میں ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب تن تنہا تشریف لے گئے تھے، اور اس کا مشاہدہ مولانا اعزاز علی صاحب نے کیا تھا۔

اس مناظرہ میں فریق ثانی کی طرف سے مولانا حمید اللہ میرٹھی مناظر تھے۔

عجیب تر بات یہ ہے، کہ تاریخ اہل حدیث اور تذکرۃ المناظرین میں ان مناظروں کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔

▪ ان دو مناظروں کے علاوہ ایک اور مناظرہ دہلی میں مولانا عبد القادر رائپوری و دیگر طلبہ ء فریقین کی خواہش واصرار سے، مولانا عبد الوہاب دہلوی کے ساتھ ہونا طے پایا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس کی نوبت نہ آسکی تھی.[66]

▪ حضرت شاہ صاحب نے اسی زمانہ میں ایک دکنی رافضی کارد بھی نے بزبان فارسی تحریر کیا، جو 200 صفحات پر مشتمل تھا۔[67]

ان سطور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جن ممکنہ ایام میں علامہ نیموی نے حضرت شیخ الہند کو کتاب بھیجی، انہی دنوں حضرت شاہ صاحب کے کمالات وخصائص اساتذہ ومعاصرین پر عیاں ہو چکے تھے، اس لیے حضرت شیخ الہند نے اپنے تمام تر تفوق کے باوجود آپ کو آثار السنن میں اصلاح ومشورہ کا اہل سمجھا۔

(3) حضرت شاہ صاحب اور علامہ نیموی

علامہ نیموی نے آثار السنن جزء ثانی کے آخر میں ایک اشتہار دیا تھا، جس میں انہوں نے لکھا، کہ جزء اول کی طباعت کے بعد انہیں ملک بھر کے اطراف واکناف سے اہل علم نے تایید ی اور مبارک بادی خطوط بھیجے ہیں[68]

لیکن علامہ نے اس سلسلہ میں صرف دو مراسلے قارئین کے سامنے پیش کیے ہیں، ایک شیخ الدلائل مولانا عبد الحق مہاجر مکی کا مبارک خط، جو انہوں نے عمدۃ العناقید کا حصہ بنایا، لیکن علامہ نے مذکورہ کتاب کے 1319ھ میں تصنیف کیے جانے کے باوجود اسے آثار کا حصہ نہیں بنایا۔ عمدہ کی اولین اشاعت آثار کے ساتھ 1344ھ کی ہے، جو مولانا فوقانی نے کرائی، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے، کہ آثار کے سلسلہ میں اکابرین ومعاصرین کی طرف سے جو تہینیاتی مکاتیب ومراسلے انہیں بھیجے گئے، ان میں سے کسی کو انہوں نے خود آثار کا حصہ نہیں بنایا، سوائے ایک تحریر کے، اور وہ تحریر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دو عربی قصیدے ہیں۔ علامہ نیموی کے حین حیات 1321ھ میں یہ قصیدے شامل اشاعت رہے۔ اور یہ علامہ نیموی اور شاہ صاحب کے مابین مراسلت پر بین دلیل ہیں۔[69] یہ احتمال بعید ترین ہے، کہ علامہ کی نظر واجازت کے بغیر ان کو شامل اشاعت کیا گیا ہو، کیونکہ کسی کتاب کی تعریف وتوصیف کے متعلق مصنف ہی کو لکھا جاتا ہے، نہ کہ ناشر کو۔ علامہ نیوی نے آثار کی تصحیح، اشتہارات وغیرہ خود بنفس نفیس مرتب کیے، جیسا کہ ان اشتہارات اور تصحیح ناموں سے ظاہر ہے۔

▪ حضرت شاہ صاحب کے ان قصیدوں پر جو عنوان دیا گیا ہے، وہ یہ ہے: الأدیب اللبیب العارف باللہ]70]

یہ محض عبارت آرائی نہیں تھی، بلکہ مصنف علام کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کے مقام عالی کا اعتراف واظہار کا بہترین نمونہ تھا، علامہ نیموی خود ادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اساتذہ عصر ان کی شاعری اور ادبیت کے معترف وقدردان تھے، یقیناً ان کی دیگر کتب (مثلاً الحبل المتین جس پر عبد العلی، آسی، مرحوم نے 1311ھ قطعہ تاریخی لکھا) کی طرح آثار السنن کے تاریخی قطعات بھی لکھے گئے ہوں گے، لیکن مصنف کی نظر انتخاب میں صرف حضرت شاہ صاحب کے قصیدے ہی جچے۔]71]

▪ عنوان میں العارف باللہ کے الفاظ کا بھی اضافہ ہے، جو ایسے صاحب نسبت شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو اہل علم کے ہاں صالح اور مصلح ہو، تصوف وتزکیہ اور سلوک واحسان میں قدم راسخ کا حامل ہو، اس لفظ کے انتخاب کی وجہ شاید وہ مباحث رہی ہوں گی، جو حضرت شاہ صاحب نے علامہ نیموی کو ارسال کی تھیں، اور جنہیں علامہ نیموی نے اپنی کتاب میں تو نہیں لیا، لیکن شاہ صاحب کو لکھنے کی فہمائش کرتے رہے، یعنی احادیث کی تشریح سے متعلق معنوی مباحث۔ مولانا نعمانی کی روایت ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: "میرے اضافے زیادہ تر معنوی بحثوں سے متعلق تھے "

▪ قصیدے کے عنوان میں شاہ صاحب کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا: المدرس الاعلی للمدرسۃ الأمینیۃ فی دہلی

اس سے واضح ہوتا ہے، کہ اس مراسلت کا تعلق امینیہ کے دور سے ہے، یعنی 1316ھ سے 1319ھ کے آس پاس تک۔

▪ مولانا نعمانی کی روایت میں علامہ نیموی اور شاہ صاحب کے مابین طویل مراسلت کا اشارہ اور تسلسل رابطہ کی تصریح ہے، اس پر بہترین قرینہ آثارالسنن کی تسوید و تکمیل اور طباعت کی تاریخیں ہیں۔ علامہ ایک متحرک شخص تھے، رواں دواں قلم، اور فیاض طبع کے مالک تھے۔ سرعت تالیف کے ساتھ متصف تھے۔ انہوں نے متعدد رسالے لکھے، آثارالسنن میں ان کا طریقہ یکثر مختلف ہو گیا، چنانچہ اس کے بارے لکھا: کہ "طہارت تک مکمل ہو گئی ہے، اور کتاب الصلوۃ قریب الاختتام ہے"

یہ بات انہوں نے جلاء العینین کے اشتہار میں لکھی، جلاء کا زمانہ تالیف الحبل المتین سے مؤخر ہے، اور الحبل المتین 1311ھ میں طبع ہوئی، اس کا مطلب یہ ٹھہرا، کہ 1312ھ تک کتاب قریب الاختتام تھی۔ لیکن اس کی تکمیل از تسوید 14ھ میں ہے، جیسا کہ خود وضاحت کی، مگر اس کی تکمیل طباعت کا سال 1321ھ ہے، آخر ایسا کیا معاملہ رہا، کہ علامہ نے کتاب 1312ھ سے 1314ھ تک مکمل کر لی، لیکن اس کی طباعت چھ سات سال کا عرصہ لے گئی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ دیگر ذاتی وجوہ کے ساتھ، اہل علم سے مشاورت، مناقشہ اور تصحیح و مراجعت نے بھی تاخیر والتواء میں اپنا حصہ لیا۔

علامہ نیموی نے حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ آثارالسنن، التعلیق الحسن اور تعلیق التعلیق میں کیوں نہیں کیا؟

دراصل علامہ نیموی آثار میں کسی بھی معاصر کا نام نہیں لیتے، ایک موقع پر انہوں نے مولانا شمس الحق ڈیانوی پر نقد کیاہے." وشنع بكلمات سخيفة،وألفاظ غيرمهذبة على بعض أعيان السهارنفور،الذي كان شيخ العصرفي الحديث]"72[

کیونکہ انہوں نے التعلیق المغنی میں مولانا احمد علی سہارن پوری کے بارے لکھا:"ونقل هذاالقول بعض أعيان السهارنفورناصرالمذهبه في الحاشية التي تصدى لردأحاديث صحيح البخاري وأقرعليه،ولم يعرف ذالك المسكين"[73]لیکن علامہ نیموی نے دونوں حضرات میں سے کسی کا نام بھی نہیں دیا۔ علامہ نیموی کی طرح حضرت شیخ الہند بھی ان حضرات کی غیر سنجیدہ گفتگو پر شکوہ کیا ہے۔[74]وهوالمشاهدفى الكتاب المستطاب فى جواب فصل الخطاب]75[

✓خاتمہ

اشکالات

(1)اس سلسلہ میں پہلا اشکال یہ ہے، کہ حضرت شاہ صاحب- نے بروایت مولانا نعمانی- یہ فرمایا: کہ علامہ نیموی اور ان کے درمیان مراسلت کشمیر کے پتے پر ہوئی، جبکہ حضرت شاہ صاحب 1314ھ کے بعد 1319ھ تک دہلی اور اس کے اطراف میں اقامت پذیر رہے تھے۔ اسی روایت کی وجہ سے مولانا کوندو صاحب نے زمانہ مراسلت 1320ھ تا 1328ھ بیان کیاہے۔[76] حالانکہ یہ واضح تسامح ہے، حضرت شاہ صاحب کے قصائد 1321ھ میں طبع ہو گئے تھے، اور علامہ نیموی بھی 1322ھ میں وفات پا گئے تھے، لہذا مراسلت کا مذکورہ دورانیہ مبنی بر تسامح ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے، کہ کشمیر کا پتہ دینے کی حکمت یہ رہی ہو گی، کہ وہ پتہ ایک مستقل پتہ تھا، جہاں خود شاہ صاحب بھی مراسلت کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دیتے ہوں گے، اور انہیں بھی وہاں سے ڈاک یقینی طور پر مل سکتی تھی،

حضرت شیخ الہند نے یہ پتہ دارالعلوم کے ریکارڈ سے حاصل کر کے علامہ نیموی کو بھیجا ہو گا۔ اس احتمال کو اس امر سے تقویت ہوتی ہے، کہ حضرت شاہ صاحب دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ گنگوہ، پھر مدرسہ عبدالرب دہلی اور پھر بجنور میں تشریف لے گئے، صرف بجنور کی اقامت اس مرتبہ کم و بیش چھ ماہ پر مشتمل تھی، بظاہر حضرت شیخ الہند کو ان کی تبدل پذیر جائے اقامت کی خبر مستقلا دیے جانے کی کوئی معقول وجہ سامنے نہیں، یہی انقطاع رابطہ، اور جائے اقامت کا نامعلوم ہونا، ان کا مستقل پتہ بتانے کی وجہ ترجیح بنا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ مولانا امین الدین صاحب کو، شاہ صاحب کو تلاشنے میں بڑی تگ و دو کرنا پڑی، [77] حالانکہ شریک درس طلبہ کو اپنے ہم مکتب دوستوں کی خبر اساتذہ سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔

توحضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا کشمیر کا پتہ بتانا اس کے مستقل اور یقینی ہونے کی بنیاد پر تھا، لہذا وہ دیگر پتے بتانے سے یقینا معذور تھے، یقینا شاہ صاحب کی اپنے والد گرامی سے مراسلت ومکاتبت بھی ہوتی رہتی تھی، تو دانشمندی کا تقاضہ یہی ٹھہرتا ہے، کہ کشمیر کا ہی پتہ دیا جائے-

کشمیر میں مراسلت کا یہ مطلب نہیں کہ علامہ نیموی اور شاہ صاحب کے درمیان دہلی میں مراسلت نہیں ہوئی، چنانچہ شاہ صاحب نے خود تصریح کی ہے، کہ ان کی مراسلت دہلی میں بھی ہوتی رہی تھی، انہوں نے جامع الاثار کی تائید میں علامہ نیموی کو مراسلہ لکھا تھا۔[78] یہ بات گزر چکی ہے، کہ جامع الاثار کا سن تالیف 1314ھ کے آس پاس ہے۔

(2)حضرت شاہ صاحب نے-بروایت مولانا نعمانی-فرمایا:"کہ ان کی علامہ نیموی سے مراسلت آثارالسنن کی تالیف کے دوران ہوئی" حالانکہ کتاب 1314ھ میں مکمل ہوچکی تھی۔اس وقت حضرت شاہ صاحب دارالعلوم کے طالب علم ہی تھے۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے، کہ عرفا جب تک کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں نہ آجائے، وہ زیر تصنیف، زیر ترتیب اور زیر تالیف ہی کہلاتی ہے۔ خصوصا جبکہ وہ مشورہ واصلاح کے لیے اہل علم کو بھیجی جارہی ہو۔اور ناشر کو بھی نہ دی گئی ہو، بھلے نفس الامر میں یا مصنف کے خیال میں وہ مکمل ہو چکی ہو۔ لیکن جسے برائے اصلاح ومشورہ بھیجی گئی ہو، تو کیا اسے یہ حق نہیں، کہ وہ اسے زیر تالیف یا نامکمل قرار دے؟

✓ دعوی مرافقت کا تعلق کس کتاب ہے؟

حضرت شاہ صاحب کے اس دعوی مرافقت کا تعلق آثارالسنن سے ہے، جیسا کہ مولانا نعمانی اور شیخ بنوری کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے، یا پھر التعلیق الحسن سے ہے، جیسا کہ خود حضرت شاہ صاحب نے نیل الفرقدین میں فرمایا۔

اس سلسلے میں راقم کے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت اولی ہے، اور محمول برحقیقت ہے، جبکہ ہر دو حضرات کی رائے مجاز ہے۔ایک وجہ تو خود یہی کہ شاہ صاحب کی اپنی تحریر میں تصریح ہے، نیز نیل الفرقدین میں جہاں انہوں نے علامہ نیموی کے افادات ختم کیے، وہاں بھی صراحتا تعلیق اور آثار کا نام لیا۔ جس کا مطلب ہے، ان کی نظر میں ان کا فرق واضح تھا، اور انہوں نے یہ دعوی خاص طور پر التعلیق کے بارے میں کیا۔

عقلا بھی یہ راجح معلوم ہوتا ہے، کہ مرافقت کا تعلق التعلیق الحسن سے ہو، کیونکہ اہل علم کو اس بات کا خوب ادراک ہے، کہ اصل کتاب علامہ نیموی کی بجائے آثار، التعلیق الحسن ہے، علامہ کی قلمی وتحقیقی جولانیاں التعلیق میں جلوہ گر ہیں۔ آثار صرف احادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ احادیث پہلے بھی کتب حدیث میں اور مختصر فقہی حدیثی مصنفات میں-مختلف ترتیب ہی سے سہی- موجود ہیں۔ البتہ ان احادیث پر اسناد و علل کی جہت سے اس قدر عمیق، محدثانہ، محققانہ، اور مجتہدانہ گفتگو علامہ کا کارنامہ تھا۔ کتاب کے متن میں بھلا کیا مرافقت ہوسکتی تھی؟ اس سلسلہ میں ایک مبحث یہ بھی ہے، کہ حضرت شاہ صاحب کی اس مرافقت کا تعلق صرف جزو ثانی سے ہے، یا دونوں اجزاء سے ہے؟ اس کی ممکنہ صورت یہ ہوگی، کہ جزو اول کی طباعت کے بعد جب حضرت شیخ الہند کی خدمت میں وہ بھیجی گئی جو 1318/17ھ کی مطبوعہ تھی، تو حضرت شیخ الہند کے مشورہ سے علامہ نیموی نے حضرت شاہ صاحب سے مراجعت کی، تو اس دوران 1319ھ میں شاہ صاحب کو ہندوستان چھوڑنا پڑا، تو وہ کشمیر تشریف لے گئے، اور پھر جزو ثانی کے بارے میں یہ مراسلت ہوتی رہی، جو بعد شاہ صاحب کے قصائد کے ساتھ طبع ہوئی۔ اس توجیہ سے دونوں اشکال وارد نہ ہوں گے۔ البتہ قصیدے کے عنوان پر "مدرسہ امینیہ" بدایت مراسلت کی بنیاد پر لکھا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم

✓اضافات کی نوعیت

حضرت شاہ صاحب نے التعلیق الحسن کے سلسلے میں جو مراسلت کی، اس میں شاہ صاحب کے مکاتیب و مراسلات کی نوعیت کیا تھی؟ مولانا نعمانی کی روایت میں وضاحت ہے، کہ علامہ نیموی نے اسناد وعلل پر بحث کی گنجائش بہت کم چھوڑی تھی، اور حضرت شاہ صاحب کی اضافات رموز و اسرار پر

مشتمل تھے۔ جنہیں علامہ نیموی نے کتاب کا حصہ نہ بنایا[79]۔ اس روایت سے ڈاکٹر عبد الحلیم نعمانی صاحب کا تسامح واضح ہو تا ہے، کیونکہ ان کے خیال میں یہ اضافے علامہ نیموی کے ذوق کے مطابق تھے۔[80]

حضرت بنوری کے بقول علامہ نیموی کی کتاب میں جو ممکنہ اعتراضات کی گنجائش ہو سکتی تھی، شاہ صاحب نے اپنے اضافات میں اسے پیش نظر رکھا، اگرچہ وہ اضافات علامہ نیموی کے ذوق کے مطابق نہ تھے یا پھر درسی کتاب کے اسلوب کے بر خلاف ہونے کی وجہ سے انھوں نے کتاب کا حصہ نہ بنایا۔ حضرت شاہ صاحب نے نیل الفرقدین میں آثار السنن اور التعلیق الحسن سے جو استفادہ کیا ہے، اور پھر جو اس پر اضافے فرمائے ہیں، وہ ملاحظہ ہوں۔[81]

▪ حدیث ابن مسعود پر کلام آثار السنن میں صفحہ 152-154 پر کیا گیا ہے۔

نیل الفرقدین متن میں یہ حدیث مع کلام نیموی صفحہ 56-66 پر آئی ہے، جبکہ شاہ صاحب کا اضافہ صفحہ 66 -99 پھیلا ہوا ہے۔

▪ اثر عمر آثار السنن میں صفحہ 154-156 پر ہے، نیل الفرقدین متن میں صفحہ 99-103 تک ہے. لیکن شاہ صاحب کا اس پر اضافہ حواشی میں صفحہ 103-109 تک ہے.

▪ اثر علی

آثار السنن میں صفحہ 155-156 پر ہے، نیل الفرقدین متن میں صفحہ 109-113 پر ہے، شاہ صاحب کا اضافہ حواشی میں صفحہ 113-109 تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ تین مثالیں صرف نوعیت مبحث کی تقریب کے لیے ہیں، ان نقول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ ارشاد حقیقت پر مبنی ہے، انہوں نے کتاب پر دگنا اضافہ کیا ہے۔ نیز یہ بات بھی قرین قیاس ہے، کہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب نیل الفرقدین اور فصل الخطاب کا بنیادی خاکہ علامہ نیموی کے ساتھ مراسلت کے دوران محفوظ کر لیا ہو چنانچہ نیل الفرقدین میں ان کے الفاظ قطعات كانت عندي اس پر دلالت کرتے ہیں۔[82]

✓ دعوی مرافقت کی نوعیت

حضرت شاہ صاحب کے اس دعوی سے کیا مراد تھی؟ اس سلسلہ میں گزارشات ملاحظہ ہوں۔

(1) اس سے شراکت فی التصنیف کا دعوی ہو۔ راقم حضرت شاہ صاحب اور ان کے منتسبین میں سے کسی کی ایسی کلام پر مطلع نہیں ہوا، جس میں شراکت فی التصنیف مراد لیا گیا ہو، البتہ اہل حدیث عالم مولانا عبد السمیع صاحب نے تحفۃ الاحوذی کے مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب کو آثار کا شریک مصنف قرار دیا ہے۔[83] بالفرض اگر یہ مراد لیا بھی جائے، تو یہ "فظن أن لن نقدر عليه" کی تقدیر پر زعم متکلم ہے، جو فصحاء بلغاء کی کلام میں بکثرت مستعمل ہے، اور یہ دعوی بطور مجاز ہے۔ ممکن ہے، کہ حضرت بنوری نے مجازی معنی کے پیش نظر (کأن) حرف تشبیہ اختیار کیا ہو۔

(2) اس سے مراد موافقت ہے۔ گویا حضرت شاہ صاحب اور علامہ نیموی کی آراء مسائل خلافیہ، ادلہ اور استنباط میں باہم موافق تھیں۔ یعنی موافقت في الرأي مراد ہے[84]-

(3) تیسرا احتمال یہ ہے، کہ اس مرافقت سے علمی معاونت مراد ہو، یعنی علامہ نیموی کی علمی معاونت۔

▪ معاونت کا مصداق ہر زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہو تا رہتا ہے، آج کے زمانہ میں پروف ریڈنگ، تخریج حوالہ جات، تصحیح عبارات، ادلہ کی دستیابی، مراجع کی رہنمائی وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ اور اس زمانہ کے حوالے سے تصحیح استدلال، بیان ادلہ، مظان متوقعہ، وغیر متوقعہ کے نشاندہی، امور محتملہ میں تعیین مراد، اور امور مذکورہ پر وارد ہونے والے اشکالات کے جوابات مراد ہو سکتے ہیں۔

□ ▪ مولانا فوقانی نے اس پر جو اشکال کیا ہے، اور جسے مولانا اثری صاحب نے نمایاں کر کے پیش کیا ہے - وہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے دوران حضرت شاہ صاحب تو طالب علم تھے تو طالب علم سے مشاورت چہ معنی دارد؟ کتاب کی تکمیل مسودہ 1314ھ کے آس پاس ہو گئی تھی، اور طباعت 1317- 18ھ میں۔

چار پانچ سالوں کی یہ تاخیر، اور جلد ثانی کی طباعت کا 1321ھ تک مؤخر ہو جانے کا مطلب ہے، کہ کتاب اپنی تکمیل مسودہ کے بعد بالیقین تصحیح و مراجعت کے مسائل سے گزرتی رہی، اور یہی وہ موقع تھا، جس میں حضرت شاہ صاحب علامہ نیموی کی مرافقت سرانجام دے رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے احوال رفیعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے، کہ زمانہ طالب علمی میں ہی وہ "سباق غایات" بن چکے تھے، ان کے شریک درس مولانا سلطان محمود کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ دوران درس حضرت الاستاذ نے طلبہ سے ایک ایسا سوال پوچھا، جس پر میرا خوب مطالعہ تھا، اور بزعم خود میں اس مقام کی انتہاؤں تک پہنچا ہوا تھا، خیال تھا، کہ آج بشمول انور شاہ کوئی مجھ سے آگے نہیں ہو سکے گا، لیکن جب حضرت شاہ صاحب نے جوابات دینا شروع کیے، تو ان کا پہلا جواب ہی میرے علمی ادراک و تحقیق کی معراج تھا، اور باقی پوری تقریر میں ان کا ہر دوسرا جواب پہلے سے بڑھ کر تھا، مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا، اور میں مبہوت ہو گیا، مجھے یقین ہوا، کہ خزانہ اقدس کے لدنی چشمے تک شاہ صاحب کا ذہنی رابطہ ہے، کسب سے اس مقام تک رسائی ناممکن ہے۔[85]

چنانچہ یہ بات مستبعد نہیں، کہ حضرت شیخ الہند نے حضرت شاہ صاحب کی فراغت یعنی 1314ھ میں، معابعد از فراغت علامہ نیموی کو ان سے مراسلت کا ارشاد فرمایا ہو۔

□ ▪ اس مرافقت کو باہم معاصرین کی مرافقت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح استاد و شاگرد کی مرافقت پر بھی، دونوں محتمل ہیں۔ دونوں میں یہ انتساب مرافقت باعث فخر ہے۔ اور دونوں صورتوں میں اصل کتاب کا انتساب تالیف علامہ نیموی ہی کا ہے۔

پہلی مرافقت کے نظیر حافظ زیلعی اور حافظ عراقی کی مرافقت ہے، حافظ ابن حجر کے بقول

زیلعی نصب الرایہ میں عراقی سے معاونت لیتے، اور عراقی احیاء العلوم اور وفی الباب کی تخریج میں زیلعی مرحوم سے مدد لیتے۔[86] دوسری مرافقت کی نظیر احمد بن سلمہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی مرافقت ہے، احمد بن سلمہ کہتے ہیں:"کہ میں مسلم کی جامع میں ان کے ساتھ تھا"

تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے:"میں مسلم کے ساتھ ان کی کتاب صحیح مسلم کی تالیف میں 15 برس ساتھ رہا [87]"

چونکہ حضرت شاہ صاحب کا علامہ نیموی سے زانوئے تلمذ تہ کرنا کسی طرح ثابت نہیں، اس لیے اس مرافقت کو پہلی نظیر پر محمول کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

(4) اس مرافقت کو معاصرین کے مذاکرت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ محدثین کی روایت مذاکرہ اہل علم میں معروف ہے۔ اس مذاکرہ سے مراد تکرار و دہرائی نہیں، بلکہ کسی موضوع پر اظہار خیال ہے۔ جس کے ضمن میں مختلف روایات و احادیث آجاتی ہیں، جس میں طرفین کی آراء میں موافقت بھی ہو سکتی ہے، اور مخالفت بھی۔

فائدہ علامہ نیموی نے اپنا مسودہ 1313-14ھ کے آس پاس مکمل کر لیا تھا، جس کی طباعت 1317-18ھ میں جا کر ہوئی، علامہ کے فرزند کے یہاں کوئی دلیل نہیں ملتی، کہ بوقت طباعت اس مسودہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، بظاہر تو مشاہدہ و تجربہ یہی ہے، کہ تکمیل مسودہ کے بعد بھی کتاب کے مضامین میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

فائدہ حکیم مولانا عبد الحئی صاحب نے

دہلی اوراس کے اطراف میں ایک طالب علم مولوی مشیت اللہ برم پور کا تذکرہ کیا ہے، جو شعبان 1320ھ کو دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس جارہے تھے،[88] برم پور اور بجنور میں گھنٹہ بھر کا ہی فاصلہ ہے۔

اگر تو یہ وہی مولانا مشیت اللہ ہیں، جو حضرت شاہ صاحب کے شریک درس تھے، تو پھر درج ذیل نکات واضح ہو جاتے ہیں۔

(1) شاہ صاحب کا سن فراغ 1312ھ ہے۔

(2) شاہ صاحب 1312ھ کو بجنور نہیں گئے، کیونکہ یہ طالب علم اکیلے ہی سفر کررہے تھے۔

تو بظاہر یہی ہو گا، کہ شاہ صاحب کشمیر تشریف لے گئے ہوں گے۔

اگر علامہ نیموی نے حضرت شیخ الہند سے 1312ھ میں رابطہ کیا ہو، تو شاہ صاحب کا کشمیر کا پتہ دینا کسی قسم کا موجب اشتباہ نہیں ہو گا۔

فائدہ

روایت کے مطابق اس طالب علم مولانا مشیت اللہ نے اپنے اساتذہ پر تبصرے بھی کیے، جس کا حاصل یہ تھا، کہ مدرسہ دیوبند میں صرف حضرت شیخ الہند ہی لائق تدریس ہیں،

▪ اس روایت کو ڈاکٹر مبارک علی نے تاریخ اہل حدیث میں -بلاضرورت موضوع- بڑی نمایاں جگہ دے کر گویا ان اساتذہ دارالعلوم کا مقام عالی کم کرنے سعی نامشکور کی ہے۔[89] پھر چند سطور کے بعد ہی حضرت شیخ الہند پر خیانت علمی، تحریف نصوص اور تقلید اعمی کے دلائل جمع کرنے کے ساتھ گویا یہ بتانا چاہ رہے ہیں، کہ یہ پورا جامعہ ہی نااہل تھا۔ اناللہ

ڈاکٹر صاحب کو چند ملاحظہ طلب امور سے ذھول کی وجہ سے یہ روایت دلچسپ لگی، حالانکہ

(1) ایک طالب علم جس کا اپنا علمی مقام بھی غیر واضح تھا، اس کا تبصرہ کیسے معتبر ہو سکتا ہے؟

"(2) اذاتم العقل، نقص الکلام" پر فائز اساتذہ کا مقام ایک مبتدی غیر تام العقل کیسے سمجھ سکتا ہے؟

(3) محدثین کے ہاں جرح الاقران غیر معتبر ہے، اور یہ جرح تو اس سے بھی نچلے درجے کی ہے، تو یہ کیسے معتبر ہو گئی؟

(4) یہ جروح، جروح مبہمہ کی قبیل سے ہیں، اہل حدیث کے لقب سے ملقب اہل علم کا ان کا اعتبار کرنا عجیب تر ہے، (5) مولانا مشیت اللہ کی جروح کا تعلق منطق و فلسفہ وغیرہ سے ہے، دینیات یعنی قران و حدیث اور فقہ سے نہیں۔ جیسا کہ روایت میں تصریح بھی ہے، اس پہلو سے تو یہ جرح، جرح ہی نہیں، توثیق ہے، کیوں کہ اہل حدیث حضرات کے یہاں منطق و فلسفہ کی تعلیم کا مرتبہ علی الاقل بدعت سیئہ ہے۔

(6) یہ جروح زمینی حقیقت کے بھی خلاف ہیں۔ چنانچہ معقولات میں مولانا غلام رسول کی مہارت تو خود خیر آبادی سلسلہ کے فاضل مولانا مناظر احسن گیلانی کرتے ہیں۔[90] ان اساتذہ کے کارنامے آج بھی سامنے ہیں۔ مولانا مشیت اللہ کی جرح کے غیر معتبر ہونے پر وافی شافی دلیل ہیں۔ مثلا مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی بذل المجہود مولانا حبیب الرحمن کے عربی قصائد اور مولانا محمد احمد کا ریاست حیدرآباد کا مفتی اعظم ہونا۔

▪ ذیل

حیرانی اس امر پر ہے، کہ ڈاکٹر مبارک علی صاحب کو دہلی اوراس کے اطراف سے یہ نقول تو مل گئیں، جو خود مؤلف کا تبصرہ نہیں، بلکہ روایت کے طور پر نقل کی گئی ہیں۔ لیکن خود مؤلف نے جو بچشم خود ملاحظہ کرنے کے بعد تبصرہ بھی کیا، اسے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بڑی خوبی سے چشم پوشی کی نظر کیا ہے۔ یہ واقعہ سید نذیر حسین کے دروس سے متعلق ہے۔ سید نذیر حسین کا تعارف الحیاۃ بعد المماۃ کے مطابق یہ ہے: "آپ کا علم شریعت و طریقت مسلمات قطعیہ و یقینیہ میں سے تھا۔ منطق و فلسفہ اور معقولات کا مدتوں درس دیا، ان علوم میں آپ کی دھوم تھی، ایک بار فقہ کے ایک مسئلہ پر 40 کتابوں کے حوالے دیے۔ حدیث میں مہارت کا یہ عالم تھا، کہ ابن حجر کے مقابلہ میں حدیث کی 25/25 کتابوں کے حوالے دے دیا کرتے، ایک موقع

پر حدیث انما الاعمال کا درس 27 دنوں تک دیا، آخر عمر میں حافظہ بدستور تھا، اور عجائب میں شمار ہوتا تھا، سینکڑوں بار صحاح کا درس دیا، خصوصا صحیح بخاری تو(یاد صحیح سے بتانے پر) آپ نے کئی سو بار پڑھائی،[91] انہی اوصاف کی بنیاد پر آپ کو شیخ الکل کے لقب سے ملقب کیا گیا، ان کے تعارف کے بعد سید عبد الحئی کا مشاہدہ وتبصرہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

" مولانا سید نذیر حسین کے یہاں ہدایہ بیضاوی، مقدمہ مسلم، ھدایہ اور بخاری کا درس بالکل معمولی سادہ سادہ ہوا کرتا تھا، صحاح میں ابو داؤد کا صحیح نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے درس متروک ہو چکا تھا، اسباق مالہ وماعلیہ سے خالی ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ شواہد میں اعشی کا شعر آیا، بڑی دیر تک میاں صاحب مطلب نکالنے میں مصروف رہے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، درس میں ایک مرتبہ معمول سے زیادہ موشگافیاں ہونے لگیں، مولانا عبد الحئی کا خیال یہ تھا، کہ ان کی موجودگی کے احساس نے میاں صاحب کو موشگافیوں پر ابھارا، دوران درس ناملائم الفاظ بھی کہا کرتے تھے، کبر سنی کی وجہ سے اخذ مطالب کے متحمل نہ تھے، اپنے خلاف بات نہ سن سکتے تھے، جلد خفا ہو جایا کرتے تھے، ان کے تلامذہ(جو خود کو "خر" سننا پسند کرتے تھے) سمجھدار، مستعد لیکن متعصب اور بے باک تھے"

یہ تاثرات مولانا عبد الحئی حسنی صاحب نے صفحہ 32 تا 58 میں بیان کیے ہیں، مولانا موصوف کی سید صاحب کے اسباق میں شرکت 14 تا 26 رجب رہی۔

▪فائدہ

تاریخ اہل حدیث جلد اول کے اواخر میں محمد شاہ جہان پوری کو مولانا ڈیانوی کا عون المعبود کی تالیف میں معاون قرار دیا گیا ہے۔ فما ھو جوابکم ؟ اسی کتاب میں علامہ رشید رضا مصری کے دورہ دیوبند پر خلاف واقعہ سطور بھی لکھی گئی ہیں۔ یقینا حضرت شاہ صاحب کی عبقریت یا علماء دیوبند کا مقام و مرتبہ علامہ رشید رضا وغیرہ کی آراء پر موقوف نہیں، ان اکابر کے کارنامے ہی ان کے مقامات عالیہ کا تعین کرتے ہیں، لیکن صرف تصحیح تاریخ کے لیے گزارش ہے، کہ علامہ موصوف کا رسالہ المنار شعبان 1330ھ نیٹ پر موجود ہے۔ احباب خود ہی ملاحظہ فرما کر، ڈاکٹر مبارک علی صاحب مرحوم کی دیانت وعدم دیانت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکی

▪فائدہ

سید نذیر حسین کے بارے میں لکھا، کہ انہوں نے سینکڑوں بار صحاح اور بالخصوص صحیح بخاری "کئی سو بار" پڑھائی۔

" کئی سو بار" کو کم از کم 300 بار کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، تو سال بھر میں اگر ایک بار کتاب ختم کراتے ہوں،

جیسا کہ دستور ہے، لہذا 300 بار بخاری پڑھانے کے لیے- فراغت از تحصیل کے بعد- 300 سال درکار ہیں، جب کہ الحیاۃ بعد المماۃ کے مطابق صحاح کا ایک دورہ دو سال میں مکمل کراتے تھے، اس لحاظ سے 300 بار بخاری پڑھانے کے لئے 600 برس کی عمر چاہیے جبکہ سید صاحب موصوف کی کل عمر بمشکل 100 برس تھی، شاید طی زمان کی اس قدر بہترین نظیر کہیں نہیں ملے گی۔

نتائج بحث

(1) دعوی مرافقت کا تعلق پوری کتاب سے ہو، تو یہ مرافقت ومراسلت 1314ھ کے آس پاس شروع ہو گئی تھی۔ اور کشمیر کا پتہ دیا جانا، اس کے یقینی اور غیر مبدل ہونے کی وجہ سے تھا، دونوں حضرات میں اس سے قبل جامع الاثار کے سلسلہ میں بھی مراسلت ہو چکی تھی۔

(2)مرافقت کا تعلق صرف جزو ثانی سے ہو، تو اس صورت میں مراسلت فی کشمیر پر کوئی اشکال نہیں ہو گا، کیونکہ جزو اول 1318ھ میں طبع ہوا، اور ثانی 21ھ میں۔ جبکہ شاہ صاحب 19ھ میں کشمیر تشریف لے گئے تھے۔ تو جزو ثانی سے متعلق مراسلت کشمیر میں ہی ہوئی، باقی قصائد پر مدرسہ امینیہ کا ذکر ہونا بدایت خط و کتابت اور شہرت مقام و مکان کی وجہ سے ہے۔

(3)دعوی مرافقت نقل کرنے والے متعدد لوگ ہیں۔ ان میں ایسے حضرات بھی ہیں، جو شاہ صاحب کے شاگرد نہیں، معلوم ہوتا ہے، کہ یہ معاملہ شہرت پاچکا تھا۔

(4)حضرت شاہ صاحب اپنے اساتذہ کی نظر میں جوان العمر ہونے کے باوجود اس بار عظیم کے اہل تھے۔

(5)شاہ صاحب کے دعوی کی درستگی پر سمعی، بصری اور عقلی قرائن وافی طور پر موجود ہیں۔ ان کے بارے میں انکار و استنکار کا خیال محض تعصب کا شاخسانہ ہے۔

حواشی ومراجع

(1)مقدمہ التصریح:13

(2)تقدس انور:73

(3)مقدمہ تصریح:13

(4)ایضا:14،یقیناً یہ فتوی نویسی باقاعدہ نہ ہو گی، لیکن شاہ صاحب کی منزلت کے بیان کے لئے کافی ہے۔

(5)تقدس انور:90

(6)نقش دوام:28

(7) تقدس انور:444

(8)تصویر انور:473، حکیم واصل خان مرحوم حکیم محمود خان کے منجھلے فرزند اور حکیم اجمل خان کے بڑے بھائی تھے۔1323ھ میں تقریبا43برس کی عمر میں وفات پائی۔سید یوسف بخاری نے "یہ دلی ہے" میں، انتظار حسین نے "اجمل اعظم" میں ان کا تذکرہ کیا ہے، نزہۃ الخواطر میں حکیم محمود خان اور حکیم واصل خان کا تذکرہ نہیں مل پایا۔

(9)مولانا عبید اللہ سندھی:27،26

(10)ایضا

(11)نقش دوام:116

(12)ایضا

(13)ایضا

(14)ایضا

(15)ایضا:31

(16)ایضا:35

(17)آثار السنن،ط:بشری،402

(18)کتاب مذکور:243

(19)ماہنامہ انوار مدینہ جمادی الثانیہ،1412ھ:35

(20)آثار السنن،بشری:408

(21)آثار السنن،ط:1344ھ:140

(22)ایضا

(23)ایضا

(24)شوق نیموی،حیات وکارنامے:261

(25)آثار السنن،بشری:401

(26)خیر السوانح:102

(27)نیل الفرقدین:56

(28)الاتحاف 01/01

(29)تقدس انور:221

(30)تذکرۃ المناظرین

(31)ایضا:1/158

(32)الحیات بعد الممات:308

(33)شوق نیموی

(34) قاسم العلوم:80،ومابعد

(35)انوار انوری

(36)حیات شیخ الہند:232

(37)انوارانوری

(38)احسن القری:271

(39)ایضا

(40)تقدس انور

(41)نقش دوام

(42)تاریخ دار العلوم رضوی:2/44

(43)نقش دوام:31

(44)یہ مندرجات صرف جلد ثالث کے ہیں۔

(45)پیش نظر رہے، کہ مولانا لکھنوئ، علامہ نیموی کے استاد ہیں۔

(46)موقف العقل:3/366

(47)ایضا:3/367

(48)ایضا:3/386

(49)ایضا:3/301

(50)ایضا:3/321

(51)انوارالسوانح:

(52)تصویر انور:472

(53)نقش دوام:35،76

(54)حیات انوری:57

(55) خیر السوانح:107

(56)انوار السوانح: 459

"نورالایضاح"کاواقعہ اسی اصل کی روایت بالمعنی کاشاخسانہ ہے۔وان ذکرہ نفس المؤلف

(57)حیات شیخ الہند:239،240

(58)انوارالسوانح:423،424

(59)نقش دوام:81،126

(60)ایضا:126،127

(61)انوار الباری:1/421

(62)تصویر انور:397 (63)تذکرۃ الاعزاز:41،42

(64)سوانح شاہ عبد القادرائپوری:52

(65)ایضا

(66)ایضا:48

(67)انوارالسوانح:446

(68)آثارالسنن،ط:1321ھ

(69)یہ دونوں قصیدے، آثارالسنن،جزو ثانی،ط:1321ھ کے آخر میں ہیں۔

(70)ایضا

(71)مشہور شاعر مولانا گرامی،استاذ اقبال نے حضرت شاہ صاحب کی زبان دانی کا اعتراف یوں کیا:

چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیان: جلوہ فرما است،درآغوش زبان انور۔

واقعہ یہ ہے، کہ یہ قصیدے ظاہری باطنی خوبیوں سے مالامال ہیں،صنعت حدیث وادب میں شاہ صاحب کی دستگاہ کے بین شاہد !

(72)آثارالسنن،ط:بشری:333

(73)التعلیق المغني:2/314

(74)احسن القری:266

(75)الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب:قدم قدم پر یہ شگوفے چھوڑے گئے ہیں۔

امثلہ ملاحظہ ہوں۔

مولاناعبداللہ روپڑی کی حضرت شاہ صاحب کے بارے میں پیش کردہ عبارات کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

".1لا يعرف الفقه والقران والحديث والأصول والقواعد والنحو ولامذهبه"

".2لامس له بالقران والحديث ولابالأدب القديم والحديث"

".3ليس له حظ من العلم"

نیزروپڑی صاحب کے تشبیہات شعریہ کے مطابق شاہ صاحب:"الصبي،الزنجی،حاطب ليل،الغريق ،المسكين، الظالع،يخبط خبط العشواء،طحابعقله الطوائح"ہیں۔

مزید عبارات کے مطابق:

"تصدر منك الامور،وهی لك شرور - تخبط عقله الغول، أشرب فی قلبه العجل،صاحب سوءالظن"

نیز "انور شاہ عقل وفہم سے عاری ہے۔بکثرت جھوٹ بولتاہے،احادیث میں تشکیک پیدا کرتا ہے،

جھوٹا حوالہ لاتا ہے،اس کی نقل غیر معتمد ہے"

شاہ صاحب یقینا ایسی عبارات پر فمضيت ثمة،قلت لايعنيني،وخير من إجابته السكوت پڑھ کر گزر جاتے ہوں گے۔شاعر نے سچ کہاہے۔وإذاأتتك مذمتي من ناقص: فهي الشهادة لي بأني كامل

(76)تقدس انور:130

(77)تقدس انور:98

(78)انوار انوری:130

(79)تقدس انور:221

(80)ایضا:269

(81)حق تو یہ ہے، کہ موضوع کی مناسبت سے الاتحاف سے اضافات نقل کیے جاتے، لیکن مضمون نگار کی نااہلی استفادہ سے مانع ہے۔

(82) نیل الفرقدین:37،33،3

(83)ماہنامہ انوار مدینہ

(84)تقدم و تاخر کا اشکال درست نہیں، جبکہ ان دونوں حضرات میں 20 سال کی معاصرت موجود ہے،موافقت کے لیے اتحاد زمانہ و محل ضروری نہیں، حضرت مجدد سرہندی نے ابو منصور ماتریدی سے موافقت فی الاجتہاد کا قول اختیار کیاہے،(مکتوبات امام ربانی)و بينهماقرون

(85)مطالعہ بریلویت:1/155

(86)الدرر الکامنۃ:2/310(2250)

(87)تذکرۃ الحفاظ:2/126

(88)دہلی اور اس کے اطراف

(89) تاریخ اہل حدیث 1/

واقول له:فغض الطرف فانک من نمیر:لاکعبا بلغت ولاکلابا

(90)احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن:

(91)الحیات بعد الممات کے یہ صفحات ملاحظہ ہوں:

،232،212،128،162،69،56،199

[مصادر]

□ ▪حیات شیخ الہند سید اصغر حسین

□ ▪تقدس انور عبد الرحمن کوندو

□ ▪انوار انوری محمد انوری

□ ▪نقش دوام انظر شاہ

□ ▪انوار السوانح ڈاکٹر غلام محمد

□ ▪موقف العقل شیخ مصطفی صبری

□ ▪التصریح مفتی شفیع عثمانی

□ ▪تذکرۃ الاعزاز انظر شاہ

□ ▪قاسم العلوم نور الحسن راشد

□ ▪عبید اللہ سندھی سید محمد احمد، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ 2003ء

□ ▪نفحۃ العنبر سید محمد یوسف بنوری

□ ▪آثار السنن ظہیر احسن

□ ▪الحبل المتین ظہیر احسن

□ ▪جلاء العینین ظہیر احسن

□ ▪عمدۃ العناقید ظہیر احسن

□ ▪انوار مدینہ ماہنامہ

□ ▪نیل الفرقدین سید انور شاہ

□ ▪الحیاۃ بعد المماۃ
مولانا فضل حسین

□ ▪شوق نیموی ڈاکٹر عتیق الرحمن

□ ▪دہلی اور اس کے اطراف سید عبد الحیٔ

□ ▪حیات عبد الحیٔ ابو الحسن ندوی

□ ▪انوار الباری سید احمد رضا بجنوری

□ ▪مطالعہ بریلویت علامہ خالد محمود

□ ▪تاریخ دار العلوم قاری محمد طیب

□ ▪تاریخ دار العلوم محبوب رضوی

□ ▪التعلیق المغنی شمس الحق

□ ▪تذکرۃ المناظرین مقتدی اثری

- تاریخ اہل حدیث ڈاکٹر مبارک علی
- حیات شاہ عبد القادر رائے پوری ابو الحسن ندوی
- تصویر انور سید ازہر شاہ قیصر
- خیر السوانح سید آفتاب احمد
- حیات انوری محمد فاروق